الایّام : مجلس برائے تحقیق اسلامی تاریخ و ثقافت، کراچی جلد:۳،شمارہ:۱،جنوری۔جون۲۰۱۲ء

ہماری جامعات کے اردو مجلّوں کا معیار : المیہ اور سدِّ باب

معین الدین عقیل

یادش بخیر، ہماری جامعات نے بھی کیا اچھے دن دیکھے تھے۔ ایک زمانہ تھا کہ 'ایچ ای سی' کا وجود نہ تھا اور جامعات کے لیے آج کا سا معیار اور پابندیوں کا سا 'جبر' کسی پر مسلط نہ تھا اور تحقیق کسی پابندی وضرورت سے بے نیاز، ذاتی ذوق وشوق اور دلچسپی کے نتیجے میں معرضِ وجود میں آتی تھی اور قابلِ رشک اور اعلیٰ درجے کی بھی ہوتی تھی۔ جو مجلّے شائع ہوتے تھے، اگرچہ تعداد اور ضخامت اور زیبائش میں آج کے مجلوں کے عشرِ عشیر بھی نہ ہوتے تھے، لیکن عمدہ معیاری مقالات اور تحقیقات و مطالعات میں ممتاز تھے۔ آج اگرچہ 'ایچ ای سی' نے ایک بہت مثبت سوچ اور اعلیٰ مقصد کے تحت جامعات میں تحقیق کے فروغ اور معیار کی بہتری اور اسے عالمی سطح کے برابر نہ سہی اس کے قریب تر لے جانے کے لیے خاصے مناسب اصول وشرائط لاگو کیے ہیں اور مجلّوں کے مدیران کو ان شرائط کی پاسداری پر آمادہ کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن ایک دور وہ بھی تھا جب پنجاب یونیورسٹی کے اورینٹل کالج سے 'اورینٹل کالج میگزین' جیسا مجلّہ شائع ہوتا تھا، جس میں شائع ہونے والے مقالات اپنی عمدہ تحقیقات کے باوصف اس معیار کے ہوتے تھے کہ آج جامعات سے 'ایچ ای سی' کی عائد شرائط کے تحت شائع ہونے والے تحقیقی مجلوں میں شاذ ہی کوئی مقالہ ان کی ہمسری کرتا ہو۔ پھر اسی اورینٹل کالج کے کلیۂ علومِ اسلامیہ سے 'مجلّۂ تحقیق' جاری ہوا، جو معیار اور تحقیقی سنجیدگی وشائستگی میں 'اورینٹل کالج میگزین' سے کچھ کم نہ تھا۔ اس کا ایک سبب یہ تھا کہ اس کے مدیر معروف محقق ڈاکٹر وحید قریشی تھے جو ان اساتذہ کے تربیت یافتہ تھے جنھوں نے 'اورینٹل کالج میگزین' جاری کیا اور اسے آسمان پر پہنچا دیا تھا۔ اب میں دیکھتا ہوں اور ذہن میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ 'ایچ ای سی' کے تمام تر نیک مقاصد اور اس کی مخصانہ کوششوں کے باوجود ملک کی کسی بھی جامعہ سے اردو میں اور

معاشرتی علوم کے میدان میں 'اورینٹل کالج میگزین' اور 'مجلۂ تحقیق' جیسا کوئی مجلّہ کیوں شائع نہیں ہو رہا ہے؟ اول الذکر کو ایسی عالمی شہرت و توقیر حاصل ہوئی تھی کہ اس کے ابتدائی ساٹھ ستر سالہ شماروں کو سوئٹزر لینڈ کے ایک معروف ادارے 'آئی ڈی سی' (IDC) نے مائکروفلم میں محفوظ کر کے باقاعدہ فروخت کرنا شروع کیا تاکہ ساری علمی دنیا ان سے باآسانی استفادہ کر سکے۔ (ایسا ہی کچھ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن کے عالمی شہرت یافتہ انگریزی تحقیقی مجلّے 'اسلامک کلچر' کے لیے بھی ہوا بلکہ اس کی اہمیت کے پیشِ نظر امریکہ کے ایک ناشر نے اس کے سارے شماروں کی عکسی اشاعت کی جس کی وجہ سے یہ مجلّہ اب ساری دنیا کے کتب خانوں میں پہنچ گیا ہے۔)

لیکن افسوس، یہ داستان ماضی کی ہے۔ 'اورینٹل کالج میگزین' جیسے مثالی مجلّے کو بھی آج کی ہوا لگ گئی ہے اور معیار اس کا وہ نہ رہا جو اس سے مخصوص رہا ہے۔ یہی حال 'مجلۂ تحقیق' کا بھی ہوا، جس کی اشاعت نہ معلوم کیوں دس پندرہ سال معطل رہی اور اب جب یہ دوبارہ شائع ہونے لگا تو اس کے مدیر کو ان کی موجودگی ہی کے عرصے میں جاری رہنے والے اس مجلّے کا پورا اصل نام بھی یاد نہ رہا تھا اور اس کی تجدیدِ اشاعت یوں ہوئی جیسے کسی عام سے غیر معیاری مجلّے کی ہوتی ہے! کچھ یہی حال پنجاب یونیورسٹی کے 'ادارۂ تحقیقاتِ پاکستان' کے مجلّے کا ہوا، جو کبھی خاصہ معیاری تھا اور اب بھی نکل رہا ہے لیکن اب ایک عام سے رسالے کی طرح ہو کر رہ گیا ہے! یوں کس کس کا اور ذکر کیا جائے۔ بہت سے ہیں جو ماضی میں کچھ تھے اور اب کیا ہو کر رہ گئے ہیں۔

ایسے ہی کسی المیے سے کراچی یونیورسٹی بھی کیوں بچی رہتی! ایک سنہرا دَور اس یونیورسٹی کا ایسا بھی گزرا ہے جب یہ جامعہ اپنے تعلیمی معیار اور علمی وسعت کے لحاظ سے 'پاکستان کی کیمبرج' کہلاتی تھی اور دیگر اوصاف سے قطع نظر اس کے کلیہ فنون سے 'یونیورسٹی اسٹڈیز' کے نام سے ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی اور ڈاکٹر محمود حسین کے زمانے میں ایک مجلّہ شائع ہوتا تھا جو اگرچہ انگریزی مقالات پر مشتمل ہوتا تھا لیکن اس میں اردو مقالات کو بھی جگہ دی جاتی تھی۔ اس مجلّے نے نہایت یادگار مقالات کی ایک کہکشاں پیش کر دی تھی لیکن یہ صرف چند سال شائع ہوا اور پھر اپنے زوال کے بعد ایسا غائب ہوا کہ یونیورسٹی کے موجودہ و متعلقہ اربابِ اقتدار کو اس کا نام بھی یاد نہ ہوگا، وہ اب ویسے کسی مجلّے کو کیا حیاتِ تازہ دیں گے! اس کے شعبۂ تصنیف و تالیف نے ڈاکٹر قریشی ہی کے زمانے میں ایک اعلیٰ معیاری مجلّہ ''جریدہ'' جاری کیا تھا جو علمی

اصطلاحات کے لیے مخصوص رہا اور کوئی پندرہ سال جاری رہ کر بند ہوگیا۔ پھر جب اس عاجز کو اس شعبے کی نظامت سپرد ہوئی تو ۱۶ سال کے بعد اس کی تجدیدِ اشاعت ہوئی اور کئی شمارے نہایت نادر و غیر مطبوعہ متون پر مشتمل شائع ہوئے لیکن اِس جامعہ کے انتہائی زوال کے اِس دور میں اس کی اشاعت کے تسلسل کو بھی ختم ہونا ہی تھا، چنانچہ اس کی اشاعت اب بند ہے اور اربابِ اختیار کو اس کی پرواہ بھی نہیں!۔

تحقیقی مجلّوں کے تعلق سے ہماری جامعات ایسے المیوں سے بھری پڑی ہیں۔ (مگر مجلّوں کے تعلق سے زوال اور کم مائیگی کی یہ صورت صرف جامعات ہی کے مقدر میں نہ تھی، ہمارے ملک کے سرکاری سرپرستی میں چلنے والے تمام ہی ادارے اب اپنے انتہائی زوال کے مرحلے میں ہیں اور کوئی ادارہ کوئی حوصلہ افزا تصویر پیش نہیں کررہا ہے۔ کیا زمانہ تھا کہ کراچی میں کبھی انجمن ترقی اردو سرکاری ادارہ نہ تھا لیکن اپنی علمی تحقیقات و مطبوعات اور اپنے مجلّوں کے لحاظ سے سرکاری اداروں کو شرماتا تھا، جہاں سے مجلّوں میں معاشرتی علوم کے لیے 'تاریخ و سیاست' اور ادبی و لسانی تحقیقات کے لیے 'اردو' شائع ہوتے تھے اور جو اپنے موضوعات کی حد تک اپنے معیار میں اپنا کوئی ثانی نہ رکھتے تھے۔ ہماری بدقسمتی کہ 'تاریخ و سیاست' تو چند ہی سال جاری رہ کر بند ہوگیا اور 'اردو' برائے نام زندہ ہے لیکن معیار اور مزاج و سلیقہ نام کو نہ رہے۔ 'مجلس ترقی ادب' لاہور اور 'اقبال اکیڈمی' (خاص طور پر جب تک کراچی میں تھی) کبھی صرف اپنے مجلّوں اور اپنی علمی و تحقیقی مطبوعات کے معیار سے پہچانے جانے والے ادارے تھے۔ اب وہ قصۂ پارینہ ہیں۔

آخر یہ سب کیوں ہے اور ہمارے تحقیقی مجلّوں کو زوال کا یہ دن کیوں دیکھنا پڑا؟ سرکاری سرپرستی کے اداروں کے زوال اور ان سے نکلنے والے مجلّوں کے بارے میں تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ چوں کہ ان پر اب ایسے افراد مسلط ہیں یا مسلط کردیے گئے ہیں جو علمی ذوق وشوق سے بے نیاز، نااہلی میں طاق اور دیانتداری سے گریزاں ہونے کی وجہ سے تحقیق اور تحقیقی مجلّوں کی اہمیت اور معیار کو نہیں سمجھتے۔ اور اگرچہ جامعات بھی اب ایسے افراد ہی کے سپرد ہوتی ہیں جو علم و دانش اور لیاقت ولگن سے دور ہی ہوتے ہیں لیکن اگر دیانتدارانہ فیصلے ہوں تو اہلیت سے بھی جامعات ابھی پوری طرح عاری نہیں، اہل اور باذوق افراد اب بھی موجود ہیں، اگرچہ اب کم ہوتے جارہے ہیں اور ان کی جگہ لینے والا اب کوئی نہیں، کیوں کہ مستقبل کی منصوبہ بندی اب صاحبانِ اقتدار کے شعور و احساس کی بات ہی نہیں۔۔ ہاں مقتدرِ اعلیٰ اگر مخلص، روشن خیال اور قابل و باذوق ہو تو وہ اس جانب خاص توجہ دے کر تحقیق اور مجلّوں کے معیار کو اس

مقام پر پہنچا سکتا ہے جو 'ایچ ای سی' کا مطمحِ نظر ہے۔ بلکہ جب 'ایچ ای سی' نہیں تھی اور معیاری مجلّوں کے لیے رہنما اصول اور ضوابط عائد نہ تھے اور ان میں ملکی و بین الاقوامی مجالسِ مشاورت کا نمائشی اہتمام، سائنٹیفک اصولِ تحقیق یا معیاری رسمیاتِ تحقیق کی پاسداری اور مقالات کی ماہرین سے تنقیح کی روایت بھی موجود نہ تھی تو پنجاب یونیورسٹی اور کراچی یونیورسٹی سے مذکورہ قابلِ رشک مجلّے نکلتے تھے۔ لیکن اب جب 'ایچ ای سی' موجود ہے، اور معیار قائم کرنے کے لیے اس نے مناسب ضوابط بھی لاگو کر رکھے ہیں اور ان کی پابندی بھی شرط ہے تو کیوں اب تک جامعات سے معاشرتی علوم میں شائع ہونے والے مجلّے عالمی معیارات کے مطابق بلکہ ان کے قریب بھی نہیں پہنچ سکے؟ جامعات سے بلکہ بیرونِ جامعات شائع ہونے والے معیاری اردو مجلّوں کی نایابی کو دیکھتے ہوئے 'ایچ ای سی' نے اس خیال سے کہ جب اساتذہ کے تقرر و ترقی کے لیے تحقیقات و مقالات کی مناسب تعداد ضروری ہے اور جامعات کے وہ اساتذہ جو اردو میں تحقیقی مقالات لکھتے ہیں، یا اردو میں لکھنا چاہیں مگر اردو میں معیاری مجلّے موجود نہیں، محض اخلاص و رعایت کے تحت ان تمام اردو مجلّوں کو عارضی طور پر منظوری دے دی تھی جو جامعات میں شائع ہوتے ہیں یا بیرونِ جامعہ کسی مؤقر علمی و تحقیقی ادارے سے نکلتے اور اچھی شہرت رکھتے ہیں۔ یہ ایک عارضی فیصلہ تھا اور اس نیک نیتی اور خوش گمانی کے تحت تھا کہ جلد اردو مجلّے عالمی سطح کے معیار تک پہنچنے یا 'ایچ ای سی' کی شرائط پر پورا اترنے کی کوشش کریں گے لیکن یہ خوش گمانی گمان ہی رہی۔ 'ایچ ای سی' کے اس فیصلے کو چار پانچ سال سے زیادہ مدت گزر گئی لیکن معاشرتی علوم میں کوئی اردو مجلّہ، کسی بھی جامعہ سے ایسا نہیں نکلتا جسے عالمی معیار کے قریب تر بھی کہا جا سکے یا وہ 'ایچ ای سی' کے حقیقی مطمحِ نظر کے مطابق ہو۔ یہ ضرور ہے کہ مجالسِ مشاورت کا بڑا مرعوب کن اہتمام ہوتا ہے لیکن یہ محض نمائشی ہی ہوتا ہے اور اس لیے بخوشی بھی ہوتا ہے کہ اس طرح ایک فوجِ ظفر موج کو، جو اپنی اپنی جگہ بااثر اور فائدہ پہنچانے کی حیثیت رکھتے ہیں، باہمی مفادات کے لیے نوازنے اور ممنون کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔ پھر ہماری اخلاقی مجبوریوں، کمزوریوں، مصلحتوں اور بے جا نوازشوں کی روایت کے باعث مقالات کی تنقیح کے لیے ایسے افراد بطور 'ماہرین' منتخب کیے جاتے ہیں جن سے اپنی مرضی کی رائے کا حصول آسان ہوتا ہے۔ یہ طریقہ اب بہت عام ہے۔ یہ میرا تجربہ بھی ہے اور مشاہدہ بھی ہے۔ اس لیے کسی بھی مجلّے میں عمدہ مقالات کی اشاعت کے ساتھ ساتھ ایک نمایاں تعداد ایسے مقالات کی دیکھی جا سکتی ہے جنھیں کسی اعتبار سے معیاری یا ایک معیاری مجلّے میں

اشاعت کے قابل کہا جا سکے۔ ہماری یہ 'اخلاقیات' ہماری جامعات کے انگریزی مجلّوں میں بھی دیدنی ہے۔ ہمارے جامعاتی مجلّوں کے مدیران، بصد معذرت، اپنے مفاد کے لیے اپنے دوست احباب اور اپنے نیاز مندوں کو مایوس نہیں کر سکتے، اپنے افسرانِ بالا کے حکم یا خواہش کو ٹال نہیں سکتے اور انسانی ہمدردی سے بھی بچ نہیں سکتے کہ جب معاملہ کسی کی ترقی یا پی ایچ ڈی میں رکاوٹ جیسا ہو تو انسانی ہمدردی کا جذبہ سامنے آ ہی جاتا ہے۔

ان قباحتوں سے قطع نظر، مسئلہ اکثر مدیروں کی تحقیقی ذوق سے محرومی، علمی کم مائیگی، جدید اور سائنٹیفک اصولوں سے ناواقفیت اور روشن خیالی کے فقدان کا بھی ہے۔ اس وقت جتنے بھی مجلّے جامعات سے شائع ہو رہے ہیں ان میں عالمی سطح پر رائج اور مسلمہ اصولوں سے انحراف بلکہ ان سے لاعلمی عام ہے۔ مجلّے میں مقالات کا انتخاب ہی ایک بڑا اہم مرحلہ ہے۔ مقالے کو لازمی طور پر کسی اچھوتے یا نئے موضوع پر ہونا چاہیے۔ اگر موضوع پرانا بھی ہو تو اس میں نئی تحقیقات، تازہ مطالعات اور نکتہ آفرینی ایسی ہونی چاہیے جو سابقہ تحقیق و مطالعے میں واقعتاً اور نمایاں اضافہ ہو۔ مقالہ نگار تو اپنے ہر مقالے کو اہم گردانے گا۔ یہ مدیر کا فرض ہے کہ وہ یہ دیکھے کہ وہ مقالہ یکسر نئے موضوع پر ہے یا نہیں؟ اور یہ کہ اس میں کوئی نئی بات یا نکتہ آفرینی ہے یا نہیں؟ اس کا اسلوب اور اسناد و حوالوں کا اہتمام مقررہ اصولوں کے مطابق اور ضروری مآخذ سے استفادہ دیانتداری کے ساتھ کیا گیا ہے یا نہیں؟ پھر ان بنیادوں پر اس مقالے کی اشاعت بھی ضروری ہے یا نہیں؟ تمام مجلّوں کو دیکھ ڈالیے، ان میں کتنے مقالات یکسر نئے موضوعات پر ہوتے ہیں؟ مقالات کا متن اور ان کا تحقیقی اسلوب ایک طرف، ان کے عنوانات پر نظر ڈالیے، ہر جگہ فرسودگی اور قدامت عام ہے، مناسب الفاظ، ان میں بندشِ الفاظ اور ان کی ترتیب و معنویت میں جامعیت کا فقدان ہی نظر آتا ہے۔ پھر سارے مجلّے میں جتنے مقالات ہوتے ہیں ان میں معیار کی یکسانیت تو ایک طرف، رسمیات میں یکسانیت سے بھی وہ اکثر عاری نظر آتے ہیں۔ ایک مقالے میں اسناد و حواشی کسی طرح ہوں گے تو اسی مجلّے میں شامل دیگر مقالات میں کسی اور طرح نظر آتے ہیں۔ کتابیات یا اسنادِ محولہ کی فہرست کا کسی مقالے میں اہتمام ہوتا ہے کسی میں نہیں ہوتا۔ اگر یہ اہتمام کیا گیا ہے تو ایک ہی مجلّے میں کوئی اسے مصنف وار مرتب کرتا ہے تو کوئی عنوان کے اعتبار سے۔ بظاہر، جب سے اِس عاجز نے اپنی زیرِ ادارت تحقیقی مجلّے 'معیار' (بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد) میں اردو مقالات کے لیے خود اپنے وضع کردہ یا مقرر کردہ رسمیات کو، جنھیں

اولاً مقتدرہ قومی زبان نے اور پھر کراچی یونیورسٹی کے پاکستان اسٹڈیز سینٹر نے شائع کیا، جو جدید تر و سائنٹیفک تھے اور عالمی معیار و انداز کے مطابق تھے، مجلّے کے آغاز میں مقالہ نگاروں کی سہولت کے لیے شائع کرنا شروع کیا، تو تقریباً ہر جامعہ کے اردو مجلّوں نے انھیں خود بھی تکلفاً و بطور نمائش، نقل کرنا شروع کر دیا لیکن عمل کسی نے بھی نہ کیا! چنانچہ نہ حواشی اور کتابیات اس کے مطابق ہوتے ہیں نہ مقالے کے متن میں بین السطور ضروری ضوابط کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ جیسے یہ مسئلہ کہ اقتباس کس طرح دیا جائے؟ یا بین السطور حوالے کس طرح ہوں؟ یا ایسے حوالے دیے بھی جائیں یا نہیں؟ اور کیوں ایسے حوالے دیے جائیں یا کیوں نہ دیے جائیں؟ بس جو مقالہ موصول ہوا اسے کسی مقررہ رسمیاتی ضابطے کی تنقیح یہاں تک کہ گاہے ماہرین سے منظوری لیے بغیر شامل کر دیا اور بعد میں بسہولت اپنے 'ماہرین نما' دوست احباب سے منظوری لے کر کاغذی کارروائی مکمل کر لی گئی۔ تو ایسے میں معیار کیسے قائم ہو؟۔

آج اِن عیوب سے کسی بھی جامعہ کا معاشرتی علوم کا کوئی مجلّہ، اردو ہی کا نہیں انگریزی کا بھی، عاری نظر نہیں آتا۔ یہاں کراچی یونیورسٹی کے 'پاکستان پرسپکٹیو' کو میں مستثنیٰ سمجھتا ہوں یا ایک آدھ اور کو، کلّی یا جزوی، اس صف میں شامل کیا جا سکتا ہے۔ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی یا ہمدرد فاؤنڈیشن کو اگر ایک جامعاتی ادارے قرار دیے جائیں تو ان کے 'جرنل اوف دی پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی' اور 'انڈکس اسلامکس' اس پر مستزاد ہیں۔ جامعات کے اردو مجلّوں میں یہ عیب اس لیے ہیں کہ مجلّوں کی ادارت، کسی بھی سبب سے، بالعموم بہ اعتبارِ عہدہ یا بزرگی ایسے بھی افراد کے سپرد ہوتی ہے جنھیں تحقیق سے کوئی فطری مناسبت ہی نہیں ہوتی اور جو بالعموم جدید اور تازہ رسمیاتِ تحقیق سے واقف نہیں ہوتے اور واقف ہونا بھی نہیں چاہتے یا ان میں ایسا ذوق ہی نہیں ہوتا کہ وہ ان اصولوں کی اہمیت اور افادیت و سہولت سے اور ان کی برکتوں سے واقف ہونا چاہیں۔ ایسے افراد دراصل ایک کنویں میں رہتے ہیں اور اُسی کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ اسی لیے جدید اور سائنٹیفک اصولوں کا تمسخر تک اڑاتے یا ان سے گریز کے لیے فضول اور غیر منطقی تاویلیں تک دیتے ہوئے پائے جاتے ہیں۔

لیکن اس امرِ واقعہ کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے کہ اگر مدیرِ مجلّہ سلیقہ مند اور بہتر معیار کا خواہاں ہو اور مجلّے میں معیاری مقالات ہی شامل کرنے کے حق میں ہو تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہماری اخلاقی مجبوریاں، مروت اور معاشرتی زور و اثر اسے اپنے اردوں میں کامیاب نہیں ہونے دیتے۔ شاید ہی کوئی مجلّہ کسی جامعہ

سے اب ایسا شائع ہوتا ہو جس کے مدیر کو اس آزمائش سے مفر ممکن ہو۔ مقالہ نگار یا اس کے سرپرست اس کو ہر طرح اپنے تابع کرنے کا ہنر جانتے ہیں۔ معروف و معیاری مجلّوں میں اگر سطحی اور کم معیار مقالات نظر آتے ہیں تو اس کا سبب، مدیر کی نااہلی سے قطع نظر، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان کی اشاعت کے پسِ پشت کسی ایسے 'بزرگ' کی سفارش کارفرما ہو جس سے روگردانی مدیرِ مجلّہ کے بس کی بات نہ ہو۔ چنانچہ اچھی شہرت و بہتر معیار رکھنے والے مجلّے بھی اب اپنے سابقہ معیار پر قائم نہ رہے، اس لیے کہ ہمارا اخلاقی بگاڑ وسیع تر اور تیز تر ہوتا جارہا ہے۔ اسی صورتِ حال کو دیکھتے ہوئے اور اس کا تجربہ رکھتے ہوئے، میرے دوست ڈاکٹر تحسین فراقی نے جب حال میں اپنا ایک نہایت معیاری مجلّہ 'مباحث' شائع کرنا شروع کیا ہے، جو آج کے 'ایچ ای سی' کے منظور شدہ اردو مجلّوں سے اپنے مقالات کے معیار کے سبب کہیں زیادہ معیاری اور مؤقر ہے، تو انھوں نے اسے 'ایچ ای سی' سے اس کی منظوری لینے کے لیے اس کے مطلوبہ رسمی و دفتری تقاضوں کو پورا کرنے اور منظوری کے لیے پیش کرنے سے صاف انکار کردیا کہ وہ مقالوں کی اشاعت کے لیے آنے والے اخلاقی دباؤ برداشت نہیں کرسکیں گے۔

اس صورتِ حال اور اس امر سے قطع نظر یہ حقیقت ہے کہ 'ایچ ای سی' نے جامعات میں تحقیق کے فروغ و بہتری اور مجلّوں کی اشاعت اور معیار کی عمدگی کے لیے ایسے اقدامات کیے ہیں یا کم از کم ان کی منصوبہ بندی کی ہے یا ان کے بارے میں سوچا ضرور ہے، جو خاصے مناسب ہیں اور اگر ان پر جامعات عمل پیرا ہوں اور اساتذہ انھیں تسلیم کریں تو مفید نتائج حاصل ہوسکتے ہیں، لیکن ایسا ہو نہیں رہا اور خاص طور پر اردو مجلّے تو اب تک، ساری کوششوں اور ترغیبات کے باوجود، 'ایچ ای سی' کے قابو میں نہیں آسکے۔ جامعات کا کوئی بھی اردو مجلّہ کسی اعتبار سے، نہ مقالات کے موضوعاتی اور تحقیقی معیار کے اعتبار سے، نہ ان میں برتے جانے والے تحقیقی اصولوں اور ضوابط کے لحاظ سے اور نہ ان کے ترتیبی سلیقے کے اعتبار سے عالمی معیار سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔ کوئی کسی اصول کے تحت چھپتا ہے کوئی کسی انداز و معیار سے شائع ہوتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ جب صورتِ حال یہ ہو اور معیار اور انداز و اسلوب میں ایسا انتشار ہو تو اس عیب کو یا مجلّوں کے عدمِ معیار کا کیا علاج ہو اور ہم کیا تدابیر اختیار کریں کہ ہمارے اردو مجلّے معیاری بن سکیں؟۔

معیار کی بہتری یا تو 'ایچ ای سی' کے ذریعے ممکن ہے یا پھر از خود مدیرِ مجلّہ یہ کام کرسکتا ہے، جس کا دریں صورت امکان نہیں۔ کیوں کہ نتائج ہمارے سامنے ہیں، جو صرف منفی یا مایوس کن ہیں۔ یہ انفرادی

طور پر صرف اس وقت ممکن ہے جب مدیرِ مجلّہ کنویں میں نہ رہتا ہو۔ روشن خیال اور وسیع المطالعہ ہو اور دنیا کی جدید علمی ترقیوں سے پوری طرح واقف ہو۔ پھر اس کا مصلحتوں اور ذاتی مفادات سے دور رہنا بھی ضروری ہے کہ وہ سفارشوں اور معاشرتی و منصبی دباؤ کا مقابلہ کامیابی سے کر سکے اور سخت گیری اور بے مروتی سے فیصلے کر سکے۔ ایسا کتنوں سے ممکن ہے؟ اگر ہماری جامعات کے مجلّے معیاری نہیں تو اس امر کا اس میں کتنا دخل ہے؟ میں عدم معیار کا نصف سبب اسی امر کو سمجھتا ہوں۔ اچھے اور معیاری مقالات کا حصول ناممکن نہیں، اگر مقالہ معیاری نہ ہو تو یہ مدیر کا بھی کام ہے کہ وہ مقالہ نگار کو اسے معیاری بنانے میں معاونت کرے اور ضرورت کے لحاظ سے اس کی رہنمائی اور مدد کرے۔

جب اخلاقیات اور اہلیتوں کا معیار اور مجبوریاں ایسی ہوں کہ جن کا ذکر یہاں کیا گیا ہے تو اس ضمن میں 'ایچ ای سی' کیا کر سکتی ہے کہ مجلّے معیاری اور عالمی سطح کے ایک متعینہ معیار کے مطابق شائع ہوں؟ اس بارے میں میری معروضات یہ ہیں:

۱۔ مقالات کے معیار کو جانچنے کے لیے صرف یہ پابندی کافی نہیں کہ یہ کام مدیروں پر چھوڑ دیا جائے کہ وہ ماہرین سے مقالات کی تنقیح کروائیں، 'ایچ ای سی' یہ پابندی بھی عائد کرے کہ متعلقہ ماہرین کی فہرست 'ایچ ای سی' سے منظور شدہ ہو اور صرف منظور شدہ ماہرین کی مثبت رائے قابلِ اشاعت سمجھی جائے۔ اور پھر مقالے اور ان پر ماہرین کی مثبت آراء کی عکسی نقول مجلّے کی اشاعت سے قبل 'ایچ ای سی' کو ارسال کرنا ضروری قرار دیا جائے۔ اس طرح کم معیار مقالات کی اشاعت رکنے کا قوی امکان ہے۔

۲۔ مقالات میں معیار اور اسلوب کی یکسانیت کے لیے 'ایچ ای سی' کو ایسی ہدایات جاری کرنی چاہییں کہ رسمیات مدیر کی صوابدید کے مطابق ہی نہ ہوں۔ مدیر بدلتے رہتے ہیں اور ترجیحات اور نقطۂ نظر بھی ان کے مطابق بدلتا رہتا ہے۔ اس لیے:

الف) 'ایچ ای سی' اردو مجلّوں کے لیے ایک معیاری اور جدید تر و سائنٹفک رسمیات خود وضع کرے اور مدیروں کو پابند رکھے کہ مجلّے میں تمام مقالات میں حواشی کس طرح لکھے جانے چاہییں، اسناد کے حوالے کس طرح درج ہوں اور کتابیات کس طرح ترتیب دی جائے؟ ہر مقالے کے لیے لازم ہو کہ اس میں اسناد اور حوالے ضرور ہوں اور کتابیات یا اسنادِ محولہ کی فہرست کا اہتمام بھی لازماً ہو۔ اس مقصد کے لیے 'ایچ ای سی' کو رسمیاتِ تحقیق مجلّوں ہی کے لیے نہیں بلکہ مقالات کے لیے بھی خود وضع کر کے

ان کی پابندی کے لیے جامعات اور مجلّوں کو آمادہ کرنا چاہیے۔ یا اگر جامعات اس بارے میں اپنا کوئی موقف رکھتے ہوں تو ان پر لازم ہونا چاہیے کہ وہ اپنے وضع کردہ یا طے شدہ رسمیات کو بہرحال 'ایچ ای سی' سے منظور کروائیں اور انھیں اس طرح نافذ کریں کہ ایک ہی جامعہ کے مجلّے یا ان میں شامل مقالے باہم ایک دوسرے سے مختلف نہ ہوں۔

یہاں جملۂ معترضہ کے طور پر یہ کہنا قطعی بے محل نہ ہوگا کہ ایسا ہی اقدام 'ایچ ای سی' کو جامعات میں پیش کیے جانے والے 'ایم فل رایم ایس' اور 'پی ایچ ڈی' کے مقالات کے لیے بھی اٹھانا چاہیے اور ایک پرتکلف رسمیاتِ مقالہ نگاری خود وضع کر کے جامعات کے لیے لازم قرار دینا چاہیے کہ طلبہ مقالہ کس ضابطے کے تحت تحریر کریں، حواشی و حوالے کس طرح درج کریں اور کتابیات کس طرح ترتیب دیں۔ یہ دو تین معیاری صورتوں میں دیا جائے، جیسے مغربی دنیا میں 'شکاگو، میکگل، ہارورڈ، اوکسفرڈ یا کیمبرج' مروج ہیں کہ جامعات یا ان کے کلیے اور شعبے ان میں سے کسی کو اپنے لیے مستقلاً منتخب کر کے ان ہی پر عمل پیرا رہیں۔ معیار بندی کا یہ کام اگر 'ایچ ای سی' کرے اور جامعات کو تحریک دے تو اس کے مناسب اور مؤثر نتائج نکلیں گے۔ خود جامعات بھی اپنے طور پر، از خود یا 'ایچ ای سی' کی تحریک و ترغیب کے نتیجے میں، یہ کام کر کے ان پر عمل پیرا ہوسکتی ہیں، لیکن اس امر کا امکان قدرے کم ہے۔

ب) مجلّوں میں کتابوں پر تبصروں کی شمولیت مستحسن ہے لیکن سرسری، سطحی اور چند سطری تبصرے شامل نہ ہوں بلکہ ان کی جگہ صرف 'تبصراتی مقالے' شامل ہوں جو بہت مفصل اور مدلل ہوں اور ان میں بھی حواشی اور اسناد و حوالوں کا اہتمام ہونا چاہیے۔ ایسے تبصرے کو مذکورہ کتاب یا مقالے کے مباحث اور مطالب میں اضافے یا نکتہ رسی کا سبب بننا چاہیے نہ کہ یہ محض کتاب یا مصنف کی مداحی میں ہوں۔

ج) مقالے کے عنوان کو جامع، پرکشش اور زیادہ سے زیادہ بامعنی بنانے کے لیے ان میں روا فرسودگی کو اب ختم ہونا چاہیے، اس لیے عنوان کو بنیادی الفاظ کے ساتھ ساتھ تشریحی نوعیت کا حامل بھی ہونا چاہیے۔

۳۔ یہاں میری مزید ایک اہم گزارش یہ ہوگی، اور جسے میں قبل ازیں مختلف صورتوں اور متعدد مواقع پر بلکہ 'ایچ ای سی' کی متعلقہ موضوع پر منعقدہ نشستوں اور کمیٹیوں میں بھی پیش کرتا رہا ہوں، کہ اساتذہ کے تقرر و ترقیوں کے لیے 'ایچ ای سی' کے منظور کردہ یا مقرر کردہ مجلّوں میں شائع شدہ مقالات اور

ان کے شمار کو ہی لازمی قرار نہ دیا جائے، کیوں کہ کوئی بھی مجلّہ، خاص طور پر اردو مجلّے، تاحال عالمی معیار کے نہیں ہیں۔ اس طرح صرف ہماری اخلاقیات بگڑ رہی ہیں اور نہ صرف مجلّوں کا معیار بلکہ اساتذہ اور ان کی تحقیقات کا معیار بھی بلند نہیں ہو رہا ہے۔ اساتذہ کے تقرر یا ترقی کے لیے ان کے مقالات کی انفرادی تنقیح، چاہے وہ 'ایچ ای سی' سے منظور شدہ مجلّوں میں شائع ہوئے ہوں یا کسی بھی مجلّے میں، 'ایچ ای سی' کو اپنے مخصوص ماہرین سے خود کرانی چاہیے اور اس کے بعد ان کے مقالات کو ان کے معیار کی درجہ بندی کے اعتبار سے، ان کی ترقی یا دیگر کسی نوعیت کے فوائد کے لیے شمار کے قابل سمجھا جانا چاہیے۔ ورنہ بعض صورتوں میں یہ ناانصافی بھی ایک واقعہ ہے کہ اساتذہ کے ایسے مقالات جو بہت معیاری ہو سکتے ہیں کہ انھیں کم از کم 'وائی' درجے کے مجلّے میں شائع ہونا چاہیے لیکن کسی وجہ سے وہ صرف 'زی' درجے کے مجلّے میں شائع ہوتے ہیں، یا کوئی مقالہ 'زی' درجے کا بھی اہل نہیں ہوتا مگر وہ 'وائی' میں چھپ جاتا ہے، تو ایسی صورت میں مجلّے کے درجے کے بجائے خود مقالے کے معیار کو ملحوظ رکھا جانا چاہیے۔ یوں اساتذہ میں اپنے مقالات کی 'ایچ ای سی' سے منظور شدہ مجلّوں میں اشاعت کے لیے غیر اخلاقی تگ و دو بھی باقی نہ رہے گی اور مجلّوں کے مدیروں پر سے بھی غیر اخلاقی دباؤ ختم ہو جائے گا اور اس طرح مجلّوں کے معیار میں بہتری آسکے گی۔

۴۔ اساتذہ کی ترقی کے معاملے میں جامعات اور 'ایچ ای سی' کو بہت حساس ہونا اور اپنا معیار بہت کڑا رکھنا چاہیے تاکہ صرف اہل اور مستعد اساتذہ ہی ترقی پاسکیں اور اعلیٰ مناصب تک پہنچ سکیں۔ اس لیے ترقی کے لیے 'ایکس' درجے یا کم از کم 'وائی' درجے کے مقالے ہی کو قابلِ قبول سمجھا جانا چاہیے۔

۵۔ مقالات کے ذریعے ترقی کے ضمن میں یہ امر بھی 'ایچ ای سی' کو لاگو کرنا چاہیے کہ جو مقالات کسی ایک عہدے سے دوسرے عہدے میں ترقی کے لیے پیش کیے جا چکے ہوں، انھیں دوسرے سے تیسرے عہدے کے لیے پیش کرنے کی اجازت یا رعایت نہ دی جانی چاہیے۔ ہر عہدے کے دوران ایک مخصوص تعداد میں نئے مقالات چھپوانا ضروری قرار دیا جانا چاہیے۔ اس طرح پروفیسر کے عہدے پر ترقی کے لیے بحیثیت ایسوسی ایٹ پروفیسر ایک خاص تعداد میں نئے مقالات شائع کروانا ضروری ہونا چاہیے۔ اور پھر پروفیسری کے دوران بھی نئے مقالات چھپنے پر ہی ایک استاد کو اگلے اسکیل (جیسے ۱۲ سے ۲۲ میں) میں ترقی کے قابل سمجھا جانا چاہیے۔

۶۔ اساتذہ کی ترقی کے ضمن میں ایک اور منفی اقدام بھی قابلِ توجہ ہے کہ بدعنوان اساتذہ بالعموم اپنے فرضی مقالے پر جو انھوں نے کبھی نہیں لکھا، اپنے مقالات کی تعداد مکمل کرنے کے لیے، کسی مدیر سے اپنی کسی معذوری یا مجبوری کا رونا رو کر ایک ایسا خط حاصل کر لیتے ہیں جس میں مدیر یہ لکھ دیتا ہے کہ ان کا 'مقالہ' مجلّے کے اگلے یا فلاں شمارے میں شامل ہو رہا ہے۔ جو کبھی شائع نہیں ہوتا لیکن اس اثنا میں استاد کا کام پورا ہو جاتا ہے۔ یہ صورت ہمارے اطراف بالعموم دیکھنے سننے میں آتی ہے اور شاید اسی لیے یہ پابندی کبھی لگائی گئی تھی کہ ایک سال کے اندر وہ مقالہ شائع ہو جانا چاہیے، لیکن کہاں کوئی یونیورسٹی ماضی میں جا کر یا استاد کی ترقی کے بعد اس کے ایفائے وعدہ کو چیلنج کرتی ہے۔ اس لیے انصاف اور دیانت کا تقاضہ ہے کہ ترقی کے معاملے میں محض مدیر یا استاد کے وعدے کو شمار قطار میں ہرگز نہ لایا جائے۔

یہ ایک بہت ضروری اور ساتھ ہی ایک عبرت انگیز اقدام ہو سکتا ہے کہ 'ایچ ای سی' ایک جائزہ مرتب کرے اور جامعات سے تمام اساتذہ کی ترقیوں کا بالجبر ریکارڈ حاصل کرے کہ کس کس استاد نے مقالات کی اشاعت کے وعدوں پر کیا کیا ترقیاں حاصل کی ہیں؟ پھر ان اساتذہ سے وہ مطبوعہ مقالات طلب کرے جو وعدوں کے مطابق اسی عرصے میں چھپے ہوں۔ یہیں دودھ کا دودھ پانی کا پانی ہو جائے گا اور ایسے سارے اساتذہ کا حقیقی کردار بلکہ یونیورسٹیوں کا رویہ بھی سامنے آجائے گا۔ ایسے بدعنوان اساتذہ میں سے اگر کسی ایک کو بھی سزا مل جائے تو سب ٹھیک ہو جائیں گے اور یونیورسٹیوں کی بھی سرزنش ہو جائے گی۔

یہ محض چند پہلو ہیں جن پر 'ایچ ای سی' کا اصرار تحقیقی مجلات کے معیار اور ان کی افادیت میں اضافے کا موجب بن سکے گا۔ اس طرح جو اخلاقی بگاڑ ہمارے اساتذہ اور یونیورسٹیوں میں عام ہو رہا ہے اس میں بھی کمی آئے گی۔ ہم نے بہت وقت اور بہت وسائل ضائع کر دیے اور یہ ہمارا قومی زیاں تھا۔ بہت ہو چکا، اب ہمیں پستی میں اور نہیں رہنا چاہیے اور نہ ہی مزید پستی میں گرنا چاہیے۔

مجلّوں کے معیار کی بہتری کے لیے، میری ان ساری معروضات کا لبِّ لباب یہ ہے کہ:

۱۔ 'ایچ ای سی' کو چاہیے کہ 'ایچ ای سی' خود مجلّوں کے لیے رہنما اصول وضع کرے کہ ان کی ترتیب میں کن کن امور کا لحاظ رکھا جائے۔ حواشی و اسناد کا اندراج کیسے ہو، اقتباسات کیسے دیے جائیں یا نہ دیے جائیں، فہرستِ اسنادِ محولہ کی ترتیب مصنف وار ہو، مصنفین کے نام حواشی و حوالوں میں کیسے لکھے جائیں اور اس میں دیگر اندراجات کیا کیا اور کس ترتیب سے ہوں اور خلاصہ (Abstract) کس جگہ تحریر

ہو، وغیرہ، وغیرہ۔

۲۔ مجلّے میں شامل کرنے سے پہلے مقالات کی تنقیح کے عمل میں 'ایچ ای سی' خود بھی شامل ہو، مدیر کے لیے لازم کیا جائے کہ 'ماہرین' کی فہرست پہلے 'ایچ ای سی' سے منظور کروائی جائے اور منظور شدہ 'ماہرین' سے مقالے پر رائے حاصل ہونے کے بعد اس مقالے اور رائے کی نقل 'ایچ ای سی' کو مجلّے کی اشاعت سے قبل ارسال کی جائے تاکہ اخلاقی دباؤ اور سفارشوں کا سلسلہ ختم ہو۔

۳۔ اساتذہ کے تقرر اور خاص طور پر ترقی کے لیے پیش کردہ مقالات کی تنقیح 'ایچ ای سی' خود کرے اور اس کا فیصلہ حتمی ہو۔ اسے صرف جامعہ کی متعلقہ مجلس کے سپرد نہ کیا جائے کہ تاحال ہماری اخلاقیات قابلِ اعتماد نہیں۔ اس وقت اساتذہ کے ماہنامہ رسالوں میں چھپنے والے اور اخباری مضامین اور کالج و اسکول میگزین میں چھپنے والی تحریریں بھی 'تحقیقی مقالات' کے طور پر شمار میں آ رہی ہیں۔

۴۔ 'ایچ ای سی' کے لیے وہ مقالات بھی قابل قبول ہوں جو اساتذہ کسی بھی مجلّے میں شائع کروائیں۔ مقالے کے معیار کو اہمیت دی جانی چاہیے نہ کہ صرف 'ایچ ای سی' سے منظور شدہ مجلّے کو۔ بعض مقالات بہت جاندار ہوتے ہیں اور عام مجلّوں میں بھی شائع ہو جاتے ہیں۔ ان کی تنقیح کر کے ان کے معیار اور درجے کو طے کیا جا سکتا ہے۔

۵۔ اساتذہ کی ترقی خود اساتذہ کے ساتھ ساتھ جامعہ اور طلبہ کے لیے بھی انتہائی اہم معاملہ ہے، اس لیے 'ایچ ای سی' ایک کڑا معیار رکھے اور مطلوبہ تعداد میں تمام مقالات کم از کم 'وائی' درجے کے ضرور ہوں۔ اور مدیروں کی جانب سے مقالات کی منظوری کی مد میں جاری ہونے والے خطوط کو اساتذہ کی ترقی کے معاملے میں کسی بھی شرط پر ہرگز شمار میں نہ لایا جائے۔ پھر ایک استاد کے لیے ہر عہدے سے اگلے عہدے میں ترقی کے لیے ایک مخصوص تعداد میں نئے مقالات لکھنے کا پابند بنانا بہتر ہوگا۔